رسائل و مسائل

(ملک غلام علی)

تعلیمِ قرآن اور خدماتِ دینیہ پر اُجرت کا جواز و عدم جواز

سوال :- ایک مسئلہ مطالعہ کے دوران میں بار بار ذہن میں کھٹکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے ذریعے سے حل ہو جائے۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک آبادی کے قریب سے گزری جس میں ایک شخص کو سانپ یا بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ ان میں سے ایک صحابی نے چند بکریاں لینا طے کیا اور مریض پر سورۂ فاتحہ پڑھی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ دوسرے صحابہ نے بکریاں لینے پر اعتراض کیا۔ پھر یہ لوگ مدینہ پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کیا تو آنحضورؐ نے فرمایا: ان احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ۔ اس کے ساتھ ہی دوسری حدیث حضرت عبادہؓ نے روایت کی ہے: قال قلت یا رسول رجل اھدی الیّ قوسا من کنت اعلمہ الکتاب والقرآن .... قال ان کنت تحب ان تطوق طوقاً من الناس فاقبلھا۔ اس حدیث کی رو سے قرآن مجید سکھانے پر کمان جیسی معمولی اجرت لینا بھی موجبِ عذاب ٹھہرا۔

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق و توفیق دینا میرے لیے مشکل ہے۔ اگر حدیث میں صرف ایک ہی حکم بیان ہوتا، خواہ ممانعت کا یا اباحت کا تو اسی کے مطابق عمل کیا جاتا، مگر بیک وقت دونوں کی پیروی کیسے ہو سکتی ہے؟ تعلیم قرآن سے ملتا جلتا معاملہ امامت، خطابت اور دینی تعلیم و تدریس کا ہے۔ پھر دینی تعلیم کی بھی مختلف صورتیں ہیں بعض اجتماعی اور بعض انفرادی۔ مثلاً ایک معلم یا قاری کسی شخص کے گھر پر آ کے یا اس کے بچوں کو قرآن مجید پڑھاتا یا قرأت سکھاتا ہے اور اس پر اپنا وقت لگاتا اور محنت کرتا ہے تو کیا اس معلم کے لیے گھر والوں سے کوئی معاوضہ لینا حرام ہو گا؟ بظاہر یہ

بڑا مشکل اور نا قابل عمل نظر آتا ہے۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس بارے میں مذکورہ احادیث کا مدعا و منشا صحیح طور پر واضح کیا جائے۔

جواب: جو اہلِ علم کتاب اللہ اور علوم دینیہ سکھانے یا کوئی دوسری دینی خدمت بجا لانے میں وقت اور قوت صرف کرتے ہیں، علمائے سلف کا ان کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ وہ معروف طریق کے مطابق ان خدمات کا اجر و معاوضہ لینے کے شرعاً مستحق ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ عبادات پر اُجرت لینا جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن متاخرین حنفیہ کے فتوٰی کے مطابق امامت، خطابت اور تعلیم قرآن پر مادی معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے اور اس پر اُجرت لینے کی جس حدیث کا ذکر آپ نے کیا ہے وہ بخاری کتاب الطب اور کتاب الاجارہ میں وارد ہے۔ اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو سعیدؓ خدری ہیں۔ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت جو ابواب الاجارہ میں ہے، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب کرام ایک سفر پر روانہ ہوئے حتّٰی کہ وہ عربوں کے ایک قبیلے کے ہاں پہنچے اور ان سے طعامِ ضیافت کے طالب ہوئے مگر انھوں نے میزبانی سے انکار کر دیا۔ اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ قبیلے والوں نے ہر جتن کیا مگر کوئی تدبیر فائدہ مند نہ ہو سکی۔ چنانچہ وہ صحابہ کرام کے پاس آئے کہ شاید ان کے پاس کوئی علاج ہو۔ انھوں نے کہا کہ اے اہل قافلہ ہمارے سردار کو زہریلے جانور نے کاٹ کھایا ہے اور کوئی چیز کارگر اور نافع نہیں ہوئی۔ کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی علاج ہے۔ قافلے کے ایک فرد نے کہا: ہاں، خدا کی قسم میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں، لیکن خدا گواہ ہے کہ ہم نے تم سے کھانا مانگا اور تم نے انکار کر دیا۔ پس میں اس وقت تک دم نہیں کروں گا، جب تک تم اس کا معاوضہ ہم سے طے نہ کر دو گے۔" چنانچہ انھوں نے بکریوں کا ایک گلہ عوض میں دینے کا معاہدہ کیا۔ پھر ان صحابیؓ نے سورۂ فاتحہ پڑھ پڑھ کر دم کرنا شروع کر دیا تو مار گزیدہ اس طرح ہو گیا گویا اس کے بند کھول دیئے گئے ہیں اور وہ بلا تکلف چلنے پھرنے لگا۔ اس کے بعد اہل قبیلہ نے بکریاں ان کے حوالے کر دیں۔ صحابہ کرام میں سے بعض نے کہا کہ انہیں آپس میں تقسیم کر لو مگر دم کرنے والے صاحبؓ نے کہا کہ ابھی ایسا نہ کرو۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا ماجرا بیان کریں گے، دیکھیں، آپ کیا فرماتے ہیں۔ پس وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور واقعہ سنایا۔ آنحضورؐ نے فرمایا: اچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس طرح دم کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے ٹھیک کیا اور

مسکراتے ہوئے فرمایا کہ انہیں تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احق ما اخذتم علیہ اجرًا کتاب اللہ۔ — اللہ کی کتاب اس کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس پر معاوضہ حاصل کرو۔

اس حدیث کے بارے میں بعض سوالات و اشکالات ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں لیکن وہ لاینحل نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس واقعہ کا تعلق تعلیمِ کتاب سے نہیں ہے، جن لوگوں سے بکریاں لی گئیں وہ مہمان نوازی کی صفت سے عاری تھے، ان کے مسلمان ہونے کی بھی تصریح نہیں ہے اور صحابہ کرام اس وقت مسافرت و احتیاج میں مبتلا تھے۔ اس لیے یہ عمل قابلِ غور ہے کہ اس سے تعلیمِ قرآن پر اُجرت لینے کا عمومی اور علی الاطلاق جواز کیسے ثابت ہوگا؟ جامعین حدیث میں سے اکثر حضرات اس حدیث کو اجارہ، طب اور رقیہ وغیرہ کے ابواب میں لائے ہیں جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس قصے کا تعلق دینی تعلیم و تعلّم سے نہیں ہے۔ مگر ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بہرحال یہ تو ثابت ہے کہ آیاتِ قرآنی کے استعمال کے عوض میں مادی منفعت پیشگی طے شدہ معاہدے کے تحت حاصل کی گئی۔ اس کے حاصل کرنے والے صحابہ کرام شریعت کے اوامر و نواہی کے مکلف تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو جائز قرار دیا، بلکہ یہ اصولی بات ارشاد فرمائی کہ اگر تم دوسری خدمات کا معاوضہ لے لیتے ہو تو کتاب اللہ کے ذریعے سے اگر تم نے کسی کی حاجت روائی کی ہے اور اسے فائدہ پہنچایا ہے تو تم اس کا بدل لینے کے زیادہ حقدار ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اضطراری یا استثنائی صورت بھی قرار نہیں دیا، بلکہ اس میں سے خود اپنا حصہ بھی طلب فرمایا، گو مزاحاً ہی سہی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اس حدیث کا اطلاق براہِ راست تعلیمِ قرآن پر نہیں ہوتا، تب بھی اس سے بجا طور پر قرآن مجید پڑھانے پر اُجرت لینے کے حق میں بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح کلام اللہ پڑھ کر پھونکنا ایک مریض کے لیے مفید ہو سکتا ہے اسی طرح اس کی تعلیم بھی ایک متعلّم کے حق میں نافع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

استدل بہ الجمہور فی جواز اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن۔ — تعلیمِ قرآن پر اُجرت لینے کے جواز میں اس حدیث کی رُو سے علمائے امت کی اکثریت نے استدلال کیا ہے۔

صحیح مسلم، کتاب الآداب، ابواب الطب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ اس کی تشریح میں امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے سورۂ فاتحہ اور دیگر اذکار سے دم کرنے پر اجرت کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ وکذا الاجرۃ علی تعلیم القرآن (اور اسی طرح تعلیم قرآن پر اجرت بھی جائز ثابت ہوتی ہے)۔ پھر فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ، مالک، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور دیگر اسلاف کا مسلک یہی ہے۔ ان تصریحات کے بعد البتہ ایک اشکال مزید یہ باقی رہتا ہے کہ اگر ان روایات کی رو سے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہو سکتا ہے تو پھر بعض لوگ جو کھانے یا پیسے کے لالچ میں میت کے لیے قرآن خوانی کرتے ہیں، یہ سب بھی جائز ہونا چاہیے۔ حالانکہ اکثر فقہا و محدثین کا مسلک یہی ہے کہ اس طرح اجرت پر قرآن پڑھنا فعل عبث ہے۔ اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ قرآن خوانی جس کے حق میں کی جاتی ہے اسے کوئی دنیوی فائدہ یا نفع عاجل پہنچانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس سے اُخروی اجر و فلاح مطلوب و متصور ہوتی ہے، اسی لیے اسے ایصال ثواب کہا جاتا ہے اور ثواب سے مراد آخرت میں اجر و ثواب ہے۔ یہ تعلیم، اجارہ، معالجہ یا رقیہ وغیرہ کا معاملہ نہیں ہے۔ اس لیے اس میں فریقین کے پیش نظر دنیوی افادہ و استفادہ نہیں ہونا چاہیے اور اس کام کو حسبۃً للہ سرانجام دینا چاہیے۔ اس میں اگر دنیوی منفعت کے حصول کی نیت ہو گی یا اس کا شائبہ بھی ہو گا، تو یہ کارِ بے خیر ہو کر رہ جائے گا۔ بہرکیف ایصالِ ثواب کی خاطر قرأت قرآن کا مسئلہ اپنی الگ اور خاص نوعیت رکھتا ہے اور تعلیم قرآن، کتابت قرآن، طباعت و اشاعت قرآن کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ اگر کسی مسلمان کو اللہ نے اتنی وسعت و استطاعت دے رکھی ہے کہ وہ ان قرآنی خدمات کے عوض میں کسی دنیوی اجر کا طالب و محتاج نہ ہو اور وہ اس خدمت کو بے مزد للہ فی اللہ انجام دے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن وہ اگر اپنی سعی کا مادی بدل چاہے تو دنیا میں لے سکتا ہے اور اس کے باوجود اگر اس کی نیت میں اخلاص و احسان ہے تو وہ آخرت کے اجر سے بھی ان شاءاللہ محروم نہیں رہے گا۔ امامت و خطابت کی نوعیت بھی یہی ہے۔ کوئی شخص اگر غنی ہے تو بہتر ہے کہ وہ یہ خدمت اعزازی طور پر بجا لائے لیکن وہ محتاج ہے تو معروف طریقے پر معاوضہ لے سکتا ہے۔ اگر امامت کبریٰ کا منصب سنبھالنے پر خلفائے راشدین نے بیت المال سے معاوضہ لیا ہے، تو امامتِ صغریٰ کا معاوضہ کیوں ناجائز ہو گا؟ بحالات موجودہ اگر اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے تو خدمتِ دین اور تعلیم کتاب کے کام میں بڑی رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔ یہ ایک بہت بڑی قباحت ہے جس سے بچنے کے لیے چھوٹی اور تنزیہی قباحت و کراہت کو نظرانداز کیا جائے گا۔ علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں فرماتے ہیں۔ لو لم یفتح لھم باب التعلیم بالاجر

لذهب القرآن (اگر تعلیم پر اُجرت کو جائز نہ کیا جائے تو قرآن مجید بھلا دیا جائے گا)۔

اس کے بعد اب اس روایت کو لیجیے جس میں تعلیم قرآن کے عوض میں ایک کمان تک لینے پر شدید وعید وارد ہے۔ مشکوٰۃ، کتاب الاجارہ میں بلاشبہہ یہ حدیث اسی طرح نقل کی گئی ہے کہ حضرت عبادہؓ بن صامت کو تعلیم قرآن کے بدلے میں ایک کمان پیش کی گئی تو اس پر بھی آنحضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے تو اسے قبول کر لو۔ لیکن یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ سے لی گئی ہے اور وہاں کچھ مزید تفصیل ہے جو مشکوٰۃ میں نقل کرتے وقت چھوٹ گئی ہے۔ ابوداؤد، ابواب الاجارہ میں حضرت عبادہؓ کے الفاظ یہ ہیں: علمت ناسًا من اھل الصفۃ القرآن (میں اہل صُفہ کو قرآن پڑھاتا تھا)۔ بعینہٖ یہی الفاظ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی سخت وعید اصحابِ صفہ سے متعلق تھی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کا یہ گروہ ایسا تھا جو بالکل بے در بے گھر تھا اور آسمان کی چھت کے نیچے ایک چبوترے پر ان کے شب و روز بسر ہوتے تھے۔ ان کی تعلیم کے لیے بیت المال یا اغنیاء کی طرف سے معاوضہ کی بات دوسری ہے لیکن معلّم کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ جو لوگ خدمت دین کے لیے ہمہ وقت ہمہ تن آمادہ رہتے تھے اور اپنے پاس کوئی مال و متاع نہ رکھتے تھے ان سے کوئی معاوضہ لیا جائے۔ جن صاحب نے کمان دی تھی ممکن ہے کہ ان کا واحد اثاثہ یہی ہو جس سے وہ جہاد فی سبیل اللہ یا غذائی جانور کے شکار کا کام لیتے ہوں تو اس سے محروم کر دینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر امام سیوطی اور بعض دوسرے محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے اس لیے وہ حدیث صحیحین کے مقابلے میں مرجوح یا منسوخ مانی جائے گی۔ بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت عبادہؓ نے ابتداءً یہ کام محض تبرع و احتساب کی نیت سے اپنے ذمے لے لیا تھا، اس لیے اس پر اجر لینا جائز نہ تھا۔ صاحب عون المعبود نے شرح ابوداؤد میں وہ توجیہہ بھی کی ہے جو میں نے اُوپر درج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اھل الصفۃ قوم الفقراء کانوا یعیشون لصدقۃ الناس فاخذ المال منھم مکروہ۔ (اہل صفہ فقراء کی جماعت تھی جو لوگوں کے صدقات پر اوقات بسر کرتی تھی، پس ان سے مال لینا ناجائز تھا)۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ جو حضرات تعلیم قرآن یا کوئی دوسری دینی خدمت انجام دیتے ہیں اور اس میں اپنا وقت اور دماغ صرف کرتے ہیں اگر وہ غنی ہیں اور تقویٰ و احتساب کے طور پر کوئی مالی یا مادی اجر نہیں چاہتے تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے جس پر انشاء اللہ آخرت میں بے حد و حساب اجر ملے گا۔ لیکن جو لوگ فراخ دست نہیں اگر حکومت یا عام معاشرہ ان کی کفالت کا انتظام کرے یا دینی استفادہ کرنے والے لوگ یا ان کے اولیا خود انھیں کوئی معین یا غیر معین معاوضہ دیں تو اس کا لینا اور دینا شرعاً حدِ جواز میں آتا ہے۔ اس پر علمائے اُمت کا قریب قریب اجماع و اتفاق ہے۔